جدید تفسیری ادب: محرکات و رجحانات
(منتخب تفاسیر کا اختصاصی مطالعہ)

محمد فاروق حیدر*

قرآن مجید کے سب سے پہلے مفسر اور شارح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جن پر قرآن مجید کی تفسیر کی ذمہ داری منجانب اللہ عائد کی گئی لہٰذا صحابہ کرام کو خالص عرب ہونے کے باوجود قرآن مجید کی بعض آیات سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو آپؐ ان آیات کی وضاحت فرماتے لہٰذا صحابہ کرام کو یہ خصوصیت اور شرف حاصل ہے کہ انہوں نے براہ راست آپؐ سے کسب فیض کیا اور نزول قرآن کی کیفیات اور اسباب کا براہ راست مشاہدہ کیا اس لیے تفسیر قرآن کے ضمن میں جب کوئی بات قرآن وسنت سے نہ ملے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس کے بعد تابعین کا طبقہ ہے جنہوں نے براہ راست صحابہ سے تفسیر سیکھی اس لیے اگر قرآن مجید کی تفسیر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ سے نہ ہو سکے تو تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنے کو مناسب سمجھا گیا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب کسی آیت کی تفسیر پر ان کا اجماع ہو۔ بعدازاں تفسیر قرآن کی باقاعدہ تدوین کا آغاز ہوا اور اس دور کی سب سے پہلی جامع اور مفصل تفسیر ابن جریر کی جامع البیان عن تاویل ای القرآن تھی جس میں ابن جریر نے کثیر التعداد روایات کو اسناد کے ساتھ نقل کرنے کا اہتمام کیا۔ اسی دوران ایسی تفاسیر بھی منظر عام پر آ چکی تھیں جو لغت اور نحو کے حوالے سے تالیف کی گئیں اور جن میں قرآن مجید کے غریب الفاظ کی وضاحت بھی شامل تھی۔ جب علوم وفنون میں ترقی ہوئی۔ فقہ اور عقیدہ کے مباحث عام ہوئے تو فقہی مذاہب کے ساتھ ساتھ مختلف کلامی فرق کا بھی ظہور ہوا۔ ان مذاہب کے تفسیری ادب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے اور ان رجحانات کی کئی تفاسیر منظر عام پر آئیں جیسے جصاص، زمخشری، واحدی اور رازی کی تفاسیر وغیرہ۔ اس کے بعد ایسی تفاسیر تالیف کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سابقہ تفاسیر ہی کے مواد کو زیادہ بہتر اور اچھے انداز میں پیش کیا جانے لگا البتہ مابعد تفسیری ادب میں موضوع اور اسرائیلی روایات سے احتراز برتا گیا۔

قرآن مجید چونکہ ہر دور کے انسان کے لئے واحد اور آخری صحیفہ ہدایت ہے لہٰذا علماء نے اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کرنے اور اس کتاب میں موجود بے شمار علوم وحکم کے استنباط کے لئے اس میں خوب غور وفکر کیا۔ تدبر وتفکر کا

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور، پاکستان

یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اسی لیے تفہیم قرآن میں آسانی کے لیے اس دور میں نہ صرف مختلف زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا بلکہ کئی اہم تفاسیر بھی منظر عام پر آئیں۔ آہستہ آہستہ عربی زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی تفسیر کی جانے لگی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ وسعت آتی گئی۔ جدید دور میں لکھی گئی تفاسیر میں اس وقت کے حالات و واقعات، علوم وفنون کی ترقی، مغربی قوتوں کے غلبہ اور مسلمانوں پر ان کی یلغار اور مختلف مسالک کے ظہور وغیرہ کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس دور میں تفسیر کے کئی رجحانات سامنے آئے۔ عالم عرب میں المراغی شیخ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد رشید رضا اور مراغی اپنی خاص قرآنی فکر کے حوالے سے بہت مشہور ہوئے اس کے علاوہ طنطاوی، ابن عاشور اور سید قطب کی تفاسیر بھی مقبول ہوئیں۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے اس میں بھی کئی اہم تفاسیر تالیف کی گئیں جیسے مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن، مولانا شبیر احمد عثمانی کی موضح الفرقان، سید مودودی کی تفهيم القرآن، مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن، امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن اور پیر محمد کرم شاہ کی ضياء القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

جدید تفسیری رجحانات کی تفہیم کے لئے عالم عرب اور برصغیر میں لکھی گئی چند کتب تفاسیر کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ الجواهر فی تفسير القرآن الكريم:

اس تفسیر کے مؤلف طنطاوی جوہری ہیں جو مصر کے رہنے والے تھے اور وہیں قاہرہ میں آپ نے ۱۳۵۹ھ میں وفات پائی۔(۱) یہ تفسیر ۲۵، اجزاء میں ہے اور کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ کائنات کے عجائب وغرائب کو بیان کیا گیا ہے۔ سائنسی طرز پر لکھی گئی اس تفسیر میں مغربی سائنسدانوں کے اقوال اور مختلف تصویریں نقل کی گئیں ہیں۔ مؤلف کو کائنات کے عجائب وغرائب سے خصوصی دلچسپی تھی جس کا اظہار دوران تفسیر انہوں نے کئی مرتبہ کیا۔ تفسیر کا سبب اور مقصد بیان کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے:

"وها أنا ذا اليوم أوالي التفسير مستعينًا باللطيف الخبير، مؤملا بِما وقر فی النفس، أن يشرح به قلوبًا، ويهدی به امما، و تنفشع به الغشاوة أعين عامة المسلمين، فيفهموا العلوم الكونية، و انی لعلی رجاء أن يؤيد الله هذه الامة، بهذا الدين، و ينسج علی منوال هذا التفسير المسلمون، و ليقرأن فی مشارق الارض و مغاربها مقرونا بالقبول، ويولعنّ بالعجائب السماوية، و البدائع الارضية: الشبان الموحدون، وليعرفن الله مدنيتهم الی العلا، و ليكونن هذا الكتاب داعيا حثيثا إلی درس العوالم العلوية و السلفية، وليقومن من هذه الامة من يفوقون الفرنجة، فی الزراعة، و الطب، والمعادن، و

الحساب، و الهندسة، والفلك، وغيرها من العلوم و الصناعات، كيف لا، و فی القرآن من آيات العلوم ما يربوا على سبعمائة و خمسين آية، فأما علم الفقه فلا تزيد اياته الصريحة عن مائة و خمسين آية. (۲)

طنطاوی نے تفسیر لکھنے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں کو کھول دے اور انہیں ہدایت دے اور لوگوں کی آنکھوں پر جو پردے پڑے ہیں وہ ہٹ جائیں اور مسلمان کائنات کے علوم کا فہم حاصل کریں اور جو مواحد نوجوان ہیں وہ آسمان و زمین کے عجائب وغرائب جاننے کے شوقین ہو جائیں اور اللہ ان کی مدنیت کو ترقی دے یہ کتاب علوی اور سفلی عوالم میں درس و تحقیق کے لیے تیزی سے متحرک کرنے والی ہوگی تا کہ اس امت کے لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور ہر میدان میں جیسے زراعت، معدنیات، حساب، ہندسہ اور فلکیات وغیرہ جیسے علوم وفنون میں انگریزوں سے بازی لے جائیں اور کیسے نہیں ہوسکتا جبکہ قرآن مجید میں علوم وفنون سے متعلق تقریباً سات سو آیات ہیں۔ اور علم فقہ سے متعلق ایک سو پچاس آیات ہیں۔

آپ نے اس بات کی بھی وضاحت کی کہ علوم کائنات کو جاننا فرض عین ہے کیونکہ اس سے اللہ کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ علم الفرائض کا مطالعہ فرض کفایہ ہے۔ (۳) طنطاوی نے کتاب میں مختلف مقامات پر عجائب وعلوم کی وضاحت میں مغربی سائنسدانوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔

جواهر القرآن میں طنطاوی کا منہج تفسیر:

کسی بھی سورت کی تفسیر کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے مؤلف نے اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے کی صراحت کی ہے اور اس سورت کی آیات کی تعداد بیان کی ہے۔ اس کے بعد آپ سورت کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں کبھی انہیں ابواب اور کبھی مقاصد کا نام دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہر مقصد میں مختلف آیات کی لفظی تفسیر پھر دیگر مباحث، حکایات، ضرب الامثال اور مختلف سوالات و جوابات کو کئی عنوانات کے تحت نقل کرتے ہیں لیکن ہر جگہ تفسیر کرنے کا انداز ایک جیسا نہیں ہے۔

علامہ طنطاوی نے تفسیر کے دوران سورج چاند، ستاروں، حیوانات وحشرات وغیرہ جیسے کائنات کے عجائب وغرائب کے بیان پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اور پوری تفسیر میں کئی مقامات پر تصاویر بھی نقل کی گئی ہیں۔ (۴)

احادیث و آثار کے علاوہ دوران تفسیر انجیل خاص طور پر انجیل برناباس سے بھی مواد نقل کیا گیا ہے۔ (۵) اس کے علاوہ قرآن مجید کی اس تفسیر میں افلاطون اور اس کی کتاب جمہوریہ کے حوالے بھی نقل کیے گئے ہیں یہاں تک کہ حب الٰہی میں آپ نے شیکسپیئر کے اشعار نقل کئے ہیں۔ ۶ مسائل بیان کرتے ہوئے جیسے حرمت خمر کی تفسیر

میں آپ نے فقہاء کے اقوال کے ساتھ ساتھ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے اطباء کی آراء بھی بیان کی ہیں۔(۷)

حرمت سود بیان کرتے ہوئے مسلمانوں پر دوسروں کی فوقیت اور برتری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فانظر کیف اتفق فی التحلیل و فی التحریم علماء الاسلام و علماء الاشتراکیین، ولکن الاشتراکیون تمادو فی الامر الی حد بعید جدا....." (۸)

دوسری جگہ آپ نے لکھا ہے:

"وبالاجمال اقول ان الربا ظهر ضرره باوضح معنی فی هذالعصر، وقامت الروس بتحریمه و منعه بتاتا، و المسلمون فی جمیع العصور لم یقدروا ان یستأصلوه"(۹)

طنطاوی کے نزدیک سابقہ ادوار کی نسبت اس دور میں سود اپنی تمام تر قباحتوں سمیت زیادہ کھل کر سامنے آیا اور روسیوں نے تو اس کو بالکل روک دیا جبکہ مسلمان تمام ادوار میں سود کی بیخ کنی کرنے میں اس طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔

یہاں ایک آیت کی مثال درج ذیل ہے جس کی طنطاوی نے بڑی عجیب وغریب تفسیر کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایها الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء للّٰه ولو علی انفسکم أو الوالدین والاقربین(۱۰)

آیت کی وضاحت میں آپ نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود تو یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی قتل کرے، چوری یا زنا کرے اور آلات قتل کے ساتھ پایا جائے تو جرم کا اقرار کر لے اسی طرح جب ہمارا کوئی اپنا رشتہ دار ایسا کرے تو ہم سچی گواہی دیں لیکن عموماً ایسا نہیں ہوتا لیکن اب جدید تحقیق اور ایجاد سامنے آئی کہ عورت کے وضع حمل میں آسانی کے لیے ٹیکہ ایجاد کیا گیا جس سے وہ بے ہوش ہو جاتی اور وضع حمل کی تکلیف سے بچ جاتی لیکن اس دوران اس سے بہت سی شرمناک اور باعث عار باتوں کا اظہار ہوا جو روزمرہ زندگی میں اس کی عادت تھی لہٰذا حکومت کے افراد نے اس طرف توجہ کی اور تقریباً پانچ سو قیدیوں کو قید خانہ سے لایا گیا اور ان کو یہ ٹیکے لگائے گئے تو انہوں نے بالکل صحیح جوابات دیئے اور حقائق کو ویسے ہی بیان کیا جیسے وہ تھے۔اور ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی بات خلاف حقیقت نہیں کی۔ جب وہ قیدی اس حالت سے باہر آئے تو وہ خوفزدہ ہو گئے کہ انہوں نے وہ حقائق بیان کر دیئے جن کا اس سے پہلے وہ انکار کر رہے تھے۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ قید خانوں سے بے گناہ لوگ آزاد ہو گئے اور کئی تجربات میں بھی

اس سے بھرپور فائدہ ہوا لہٰذا یہ صرف انگلینڈ کے لوگوں کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ کرہ ارض پر پھیلے ہوئے سارے عالم کے لیے ہے۔(۱۱)

اس طرح انصاف قائم کرنے کے لیے اور بھی کئی ذرائع کی مثالیں دی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ:

"أوليس فى الحق ان اقول ان هذا من معجزات القرآن و غرائبه والا فلماذا هذه المسائل التى ظهرت فى هذا العصر تظهر فى القرآن بنصها و فصها و المسلمون كانوا غافلين عنها كما غفلوا عن منع الخمر و الربا و قامت الامم الغربية بهذا خير قيام." (۱۲)

یہ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات ہیں اس کے علاوہ دوران تفسیر آپ نے کہیں کہیں سورت کے فضائل، آیات کے سبب نزول اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے۔

مختصر یہ کہ جواہر القرآن میں آیات کی تفسیر میں ایسی طویل اور بے مقصد تفصیلات بیان کی گئیں جس کا انسانی ہدایت سے کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی آیات کا وہ صحیح پس منظر ہے۔ ان تفصیلات کے بیان کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مؤلف مغرب کی جدید تحقیقات اور سائنسی ایجادات سے حد درجہ متاثر اور مرعوب تھے اس لیے یہ سمجھتے تھے کہ ان تحقیقات و ایجادات کو جاننے سے ہی قرآن مجید کی تفسیر اور اس میں پوشیدہ اسرار وحکم اور اس کے معجزہ ہونے کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔

تفسیر المراغی:

اس تفسیر کے مؤلف احمد مصطفیٰ المراغی (م:۱۳۶۵ء) ہیں۔(۱۳) علامہ مراغی اپنے استاذ محمد عبدہ کی فکر کے خاص ترجمان تھے۔ محمد عبدہ نے تقلید کو چھوڑتے ہوئے جدید طرز فکر کو اختیار کیا اور اسلام کو ان عیوب اور ملاوٹوں سے صاف کیا جو اس میں شامل کر دیئے گئے تھے نیز غافلین کو رشد و ہدایت کی تنبیہ کی۔ علامہ محمد عبدہ کی اس فکر و روح سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والی شخصیت علامہ مراغی کی تھی۔ علامہ مراغی اپنے استاذ محمد عبدہ کے مدرسہ میں پروان چڑھے اور وہیں سے سند فضیلت حاصل کی تو آپ کے دل میں اصلاح کا بھرپور جذبہ موجود تھا اس کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے آپ میں گہرا جوش اور انقلابی سوچ تھی۔(۱۴)

علامہ محمد عبدہ اور ان کی تفسیری فکر کو جدید دور میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اس فکر کے نمایاں ترجمان علامہ سید رشید رضا اور علامہ مراغی ہیں اس مکتبہ فکر کی چند نمایاں خصوصیات اور معائب درج ذیل ہیں۔

اس مکتبہ فکر کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں کسی فقہی مذہب کا رجحان وغلبہ نظر نہیں آتا۔ دوران تفسیر

احادیث ضعیفہ اور موضوعہ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور اسرائیلی روایات کو بھی تفاسیر میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس لیے اس مکتبہ فکر کے حامل مفسرین نے مبہمات قرآن اور غیبی امور میں کہیں تاویلات نہیں کیں۔ علوم وفنون کی اصطلاحات کو بیان کرنے سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ تفسیر میں ادبی طرز اختیار کیا گیا ہے اور قرآن مجید کی بلاغت اور اس کے اعجاز کی خوب وضاحت کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ کے مسائل کا خصوصیت کے ساتھ اور دیگر اقوام کے مسائل کا عمومیت کے ساتھ حل تجویز کیا ہے علاوہ ازیں قرآن اور سائنس کے ثابت کردہ صحیح نظریات کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱۵)

مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس مکتبہ فکر کے تفسیری ادب میں کئی عیوب پائے جاتے ہیں۔ جیسے اس مکتبہ فکر میں عقل کو بہت زیادہ آزادی دے دی گئی اور قرآن میں درج شرعی حقائق کی بلاوجہ تاویل کی گئی اور حقیقت کو مجاز اور تمثیل پر محمول کیا گیا۔ بہت زیادہ عقلی آزادی کی وجہ سے بعض تعلیمات وعقائد میں ان کی روش معتزلہ سے ملتی جلتی ہے۔ مزید یہ کہ بخاری اور مسلم کی بعض صحیح احادیث پر بھی کبھی ضعف اور کبھی وضع کا اطلاق کیا اور ایسی احادیث احاد جو صحیح اور ثابت ہیں کو عقائد کے باب میں تسلیم نہیں کیا۔ (۱۶) یہاں بطور مثال تفسیر المراغی کے منہج وخصوصیات کو واضح کیا جائے گا۔

علامہ مراغی کا منہج تفسیر:

علامہ مراغی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اپنے منہج تفسیر کو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ تفسیر کرنے سے پہلے آپ نے آیات کا ذکر کیا ہے اس ضمن میں آیات کی تعداد متعین نہیں کی گئی کبھی ایک اور کئی مرتبہ ایک سے زائد آیات درج کر کے تفسیر بیان کی گئی۔

۲۔ آیات ذکر کرنے کے بعد ''تفسیر المفردات'' کا عنوان قائم کر کے الفاظ قرآن کی لغوی تفسیر بیان کی ہے اور صرف ایسے الفاظ کو شامل کیا جن سے اکثر قاری واقف نہیں ہوتے۔

۳۔ مفردات قرآن کی تفسیر کے بعد ''المعنی الجملی'' کے عنوان کے تحت آیات کی اجمالی تفسیر بیان کی تاکہ قاری ابتدائی حد تک اس سے واقف ہو جائے۔

۴۔ ''المعنی الجملی'' کے بعد ''الایضاح'' کا عنوان قائم کر کے آیات کی تفسیر تفصیل کے ساتھ بیان کی۔

۵۔ جن آیات کے کوئی خاص سبب نزول تھے ان کو نقل کیا لیکن اس ضمن میں صرف ان روایات کو نقل کیا جو تفسیر بالماثور کرنے والوں کے نزدیک صحیح ہوں۔

۶۔ علوم وفنون کی اصطلاحات کو بیان کرنے سے گریز کیا گیا جیسے نحو، صرف اور بلاغت وغیرہ جن کو دیگر

مفسرین نے اپنی اپنی کتب تفاسیر میں بیان کیا۔

۷۔ آپ نے سابقہ کتب تفاسیر میں جو پرانا اسلوب اپنایا گیا ہے کی بجائے نئے دور کے نئے اسلوب کو اختیار کیا ہے اور اسی اسلوب کو اپنانے پر زور دیا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک ہر دور کے آداب، اخلاقیات، عادات اور طرز غور وفکر کے حوالے سے اپنا ایک خاص انداز ہوتا ہے جو سابقہ ادوار سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا کتاب اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے ایسا رنگ اختیار کرنا چاہیے جو اس دور کے اسلوب کے مطابق ہو اور یہ اسلوب لوگوں کے مزاج وعقل کے موافق ہو۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقول کے مطابق مخاطب ہونا چاہیے۔

۸۔ وسائل فہم کے لحاظ سے یہ دور ممتاز ہے اس لیے مؤلف نے ایک ہی موضوع پر مختلف مفسرین کی آراء کا جائزہ لیا اور جب ان کے اختلافات اور دلائل وغیرہ کو سمجھ گئے اور آیت کی مراد پالی تو اسے آپ نے اپنے فہم کے لحاظ سے عصر حاضر کے آسان اسلوب میں بیان کر دیا۔ پوری تفسیر میں آپ کا یہی منہج وانداز ہے۔

۹۔ قرآن مجید میں سابقہ امتوں کے حالات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان میں طبعی طور پر تجسس غیب پایا جاتا ہے لہٰذا ان کو تفصیلاً جاننے کے لیے سابقہ مفسرین نے ان آیات کے تحت اسرائیلی روایات نقل کر دیں جن میں سے اکثر قابل اعتماد نہیں ہیں اور شرعی نصوص کے بھی خلاف ہیں۔ مؤلف نے ایسی روایات نقل نہیں کیں بلکہ صرف ان روایات کو بیان کیا ہے جو علم وعقل کی کسوٹی پر پورا اترتی ہوں۔ (۱۷)

مقدمہ ہی میں مؤلف نے اپنی تفسیر کے مصادر ومراجع کی فہرست دی ہے جس میں تیس کتابوں کا ذکر ہے اور ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو کئی جلدوں میں ہیں۔ مثلاً صرف کتب تفاسیر میں ابن جریر، زمخشری، بیضاوی، راغب اصفہانی، واحدی، رازی، بغوی، ابن کثیر، ابوحیان اندلسی، آلوسی اور سید رشید رضا وغیرہ کی تفاسیر شامل ہیں۔ (۱۸)

علامہ مراغی نے تفسیر قرآن کے دوران بعض مقامات پر اپنے استاذ علامہ محمد عبدہ کی غیر مقبول اور قابل نقد آراء نقل کی ہیں لیکن ان پر آپ نے تنقید نہیں کی جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان آیات کی تفسیر میں آپ کا موقوف بھی یہی ہے مثلاً فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے ضمن میں علامہ مراغی نے اپنے استاذ کی رائے نقل کی ہے لکھتے ہیں:

"و سجود الملائكة لآدم عبارة عن تسخير هذه الارواح و القوى له ينتفع بها فى ترقية الكون بمعرفة سنن الله تعالٰى فى ذلك، واباء ابليس و استكباره عن السجود تمثيل لعجز الانسان عن اخضاع روح الشر و ابطال داعية خواطر السوء التى هى مثار التنازع و التخاصم و التعدى والافساد فى الارض، ولولا ذلك لجاء على الانسان زمن يكون

افراده فيه كالملائكة، بل اعظم او يخرجون عن كونهم من هذا النوع البشرى." (۱۹)

یہاں فرشتوں کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام ارواح وقوی کو انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے جن سے کائنات کی ترقی میں وہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ابلیس کا سجدے سے انکار اور تکبر انسانی عجز کی تمثیل ہے کہ نہ تو وہ روح شر کو تابع کر سکتا ہے اور نہ ہی برائی کے محرکات ختم کر سکتا ہے جس سے زمین میں لڑائی جھگڑے اور ظلم وفساد ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا۔

اسی عبارت سے آگے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ آدم سے مراد نوع انسانی ہے لکھتے ہیں:

"ويراد آدم نوع الانسان كما يطلق اسم ابِى القبيلة الاكبر على القبيلة فيقال كلب فعلت كذا و يراد قبيلة كلب." (۲۰)

اسی طرح سورہ الفلق کی آیت **ومن شر النفٰثٰت فی العقد**(۲۱) کی تفسیر میں آپ نے لکھا ہے:

"ومن شرالنمامين الذين يقطعون روابط المحبة، و يبددون شمل المودة و قد شبه عملهم بالنفث وشبهت رابط الوداد بالعقدة و العرب تسمى الارتباط الوثيق بين شيئين عقدة، كما سمى الارتباط بين الزوجين عقدة النكاح." (۲۲)

آپ نے اس آیت سے یہ مراد لیا ہے کہ چغل خوروں کے شر سے جو محبت کے روابط توڑتے ہیں اور محبت کے بندھنوں کو توڑتے ہیں ان کے اس عمل کو نفث سے تشبیہ دی گئی ہے اور محبت کے تعلق کو عقدہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عرب دو چیزوں کے درمیان تعلق کو عقدہ کہتے ہیں جس طرح زوجین کے مابین تعلق کو عقدة النكاح کہا گیا ہے۔

علامہ مراغی نے آیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے استاذ کی رائے نقل کی ہے جس میں انہوں نے مفسرین سے اس آیت کی تفسیر میں منقول روایت کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ وہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں موجود ہے۔(۲۳) اور اپنے وضع کردہ معنی پر قائم رہنے کے لیے اس روایت کو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا کا بیان ہے کو تسلیم نہ کرنے کی کئی تاویلات کی ہیں۔(۲۴)

اس طرح کی اور کئی مثالیں ہیں جہاں علامہ مراغی نے اپنے استاذ علامہ محمد عبدہ کی تائید میں تاویلات بعیدہ سے کام لیا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کے حوالے سے بھی علامہ مراغی نے اپنے استاذ کا موقف اختیار کیا ہے کہ **مانننسخ من آیۃ**(۲۵) میں آیت سے مراد انبیاء کی نبوت کی دلیل ہے۔(۲۶)

یہ رائے جمہور مفسرین کے موقف سے یکسر مختلف ہے۔ آپ نے بہت کم آیات کو ہی منسوخ مانا ہے۔

تفسیر المراغی میں شریعت کے احکام اور ان کی حکمتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے روزہ کے احکام، (۲۷) طلاق کے احکام، (۲۸) حرمت سود کی حکمت، (۲۹) اور تعدد ازواج کی حکمت (۳۰) وغیرہ

التحریر و التنویر من التفسیر:

یہ مبسوط اور جامع تفسیر تیونس کے معروف عالم دین محمد الطاہر بن محمد کی ہے۔ جو ابن عاشور (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۷۳ء) (۳۱) کے نام سے معروف ہیں۔ آپکا تعلق تیونس کے بااثر علمی و دینی خاندان سے تھا۔ آپ تیونس کے مفتی اعظم تھے۔ مالکی مذہب سے تعلق تھا۔ آپ کی تالیفات میں مقاصد الشریعة الاسلامیه، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، الوقف و آثاره فی الاسلام، اصول الانشاء والخطابة، اور موجز البلاغة نمایاں ہیں (۳۲)۔ التحریر و التنویر اور مقاصد الشریعة الاسلامیة ان دو کتب نے عرب و عجم میں کافی پذیرائی پائی اور دنیا کی مختلف جامعات میں آپکی کتب پر کئی تحقیقی مقالات تالیف کئے گئے۔

تفسیر ہذا کے آغاز میں مؤلف نے تفسیر کے دس مقدمات بیان کئے ہیں۔ مفسر نے ان مقدمات میں ایسے فوائد و قواعد جمع کئے ہیں جس کی احتیاج ہر مفسر کو ہوتی ہے۔

پہلا مقدمہ علم تفسیر اور تاویل سے متعلق ہے۔ دوسرا مقدمہ علم تفسیر کے لئے معاون علوم کی معرفت کے بارے میں ہے جس میں آپ نے عربی زبان، علم روایات و آثار، علم اخبار عرب، علم اصول فقہ، علم الکلام اور علم قرائات کو جاننے کی اہمیت بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کن امور میں اور کس حد تک ان علوم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے علم الکلام کے بارے لکھا ہے ''ولا یحتاج لعلم الکلام الا فی التوسع فی اقامة الادلة علی استحالة بعض المعانی''۔ (۳۳) تیسرا مقدمہ تفسیر بالرائے سے متعلق ہے۔ جس میں آپ نے مفسرین کے اقوال اور دیگر دلائل کی روشنی میں واضح کیا کہ تفسیر بالرائے نہ صرف جائز بلکہ مستحسن امور میں سے ہے اور محض ماثور پر اکتفاء کرنا مناسب رویہ نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ آپ نے تفسیر بالرائے کی ممنوع صورتوں کو بھی تفصیل سے بیان کیا اور اس ضمن میں فرق باطلہ پر کڑی تنقید کی جنہوں نے اپنی اغراض کے حصول کیلئے تفسیر قرآن میں باطل تاویلات سے کام لیا۔ چوتھا مقدمہ نزول قرآن کے مقاصد کی معرفت میں ہے جس کے آغاز میں آپ نے مقاصد قرآنیہ سے متعلق لکھا ہے۔

ان القرآن انزله الله تعالی کتاباً للصلاح امرالناس کافة رحمة لهم لتبلیغهم مراد الله منهم قال الله تعالیٰ:((**ونزلنا علیك الکتب تبینا لکل شئی وهدی و رحمة وبشریٰ للمسلمین**)) ،فکان المقصد الاعلی منه صلاح الاحوال الفردیة ، والجماعیة، والعمرانیة۔ (۳٤)

ایک مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد اصلیہ کو جانتا ہو جن کی تبیین کے لئے قرآن مجید کا نزول ہوا۔ابن عاشور کے نزدیک نزول قرآن کے آٹھ بنیادی مقاصد ہیں (۳۵):

۱۔اصلاح الاعتقاد و تعلیم العقد الصحیح،و هذا اعظم سبب لاصلاح الخلق۔

اس مقصد عظیم کے حصول لئے آپ نے درج ذیل آیت کو بطور استدلال بیان کیا۔

فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ مِن شَیْءٍ لما جَاء أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْب ۔(۳۶)

۲۔تهذیب الاخلاق۔

دوسرا مقصد آپ کے نزدیک تہذیب اخلاق کا ہے جس کے حصول کے لئے اس آیت کو مرکزی عنوان بنایا گیا۔

وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ (۳۷)

۳۔ التشریع وهو الاحکام خاصة و عامة۔

اس مقصد کے بیان میں سورہ نساء کی آیت کو بنیاد بنایا گیا۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّهُ ۔(۳۸)

۴۔سیاسة الامة و هو باب عظیم فی القرآن القصد منه صلاح الامة و حفظ نظامها۔

امت مسلمہ کی یکجہتی اور تنظیم کے مقصد عظیم کو حاصل کرنے کے لئے اس پیغام ربانی کو بیان کیا۔

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِیْعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَیْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا۔ (۳۹)

۵۔القصص والاخبار الامم السالفة للتاسی بصالح احوالهم۔

ایک مقصد سابقہ اقوام کے قصص واخبار کے ذریعے امت کے احوال کی اصلاح وفلاح کا قیام ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَیْنَا إِلَیْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِیْن ۔(۴۰)

۶۔التعلیم بما یناسب حالة عصر المخاطبین۔

مخاطبین کے عہد کے مناسب حال تعلیم ۔

یُؤْتِیْ الْحِكْمَةَ مَن یَشَاء ُوَمَن یُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِیَ خَیْراً كَثِیْراً ۔(۴۱)

۷۔المواعظ و الا نذار و التحذیر و التبشیر۔
اس مقصد کے حصول میں آپ کے نزدیک تمام آیات وعد و وعید اور مخاصمہ اور ترغیب و ترہیب کی آیات شامل ہیں۔
۸۔الاعجاز بالقرآن۔
قرآن مجید کے اعجاز کو مختلف زاویوں سے بیان کرنا۔
قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ۔(۴۲)
مقاصد قرآنیہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد پانچویں مقدمہ میں اسباب نزول سے بحث کی اور اس کی حدود و قیود کو بیان کیا اور وہ روایات سبب نزول جن کی اسانید صحیح ہیں پانچ انواع میں ان کی وضاحت کی۔ چھٹا مقدمہ علم قراءات پر مشتمل ہے۔قراءات کو آپ نے دو انواع میں تقسیم کیا اور واضح کیا قراءات کی وہ قسم جس میں اختلاف کی نوعیت حروف و حرکات کے نطق کی ہے جس کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ آیت کے معانی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ دوسری قسم قراءات کا ایسا اختلاف جس سے ایک سے زائد معانی نکلتے ہوں جیسے لامستم النساء اور لمستم النساء اور اس جیسی دیگر قراءات متواترہ۔(۴۳) لہٰذا بقول مؤلف ایسے اختلافات کو بیان کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے۔اسی مقدمہ میں آپ نے سبعہ احرف اور قراءات صحیحہ سے بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ساتواں مقدمہ قرآنی قصص سے متعلق ہے۔اس ضمن میں قرآن مجید کے خاص اور منفرد اسلوب کو واضح کیا اور قصص کے دس فوائد کو تفصیل سے بیان کیا۔ آٹھویں مقدمہ میں مؤلف نے قرآن مجید کی آیات و سور اور انکی ترتیب سے بحث کی ہے۔نواں مقدمہ الفاظ قرآنیہ کے مختلف وجوہ اور دسواں اور آخری مقدمہ قرآن مجید کے اعجاز سے متعلق ہے۔ان دس مقدمات پر ابن عاشور نے اپنی تفسیر کی بنیاد رکھی۔مؤلف کے تفسیری منہج و خصوصیات (۴۴) کا خلاصہ چند نکات میں درج ذیل ہے:

۱۔ قرآن مجید کی وجوہ اعجاز، بلاغت اور مختلف اسالیب کے بیان کا اہتمام کیا گیا ہے۔
۲۔ آیات کے باہمی ربط و مناسبت کو بیان کیا گیا ہے۔
۳۔ قرآن مجید کی ہر سورت جس قدر معانی و مقاصد پر مشتمل ہے انکو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
۴۔ مفردات قرآنیہ کی شرح کا ضبط و تحقیق کے ساتھ اہتمام کیا گیا ہے۔
۵۔ قرآن مجید کے اعجاز اور اسکے معانی سے متعلق ایسے نکات بیان کئے گئے ہیں جو دیگر تفاسیر میں موجود نہیں ہیں۔

ان خصائص کی بنا پر مؤلف نے اپنی تفسیر سے متعلق لکھا:

ساوی هذا التفسير على اختصاره مطولات القماطير، ففيه احسن ما فی التفاسير و فيه

احسن مما فی التفاسیر۔ وسمیة تحریر المعنی السدید، و تنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید و اختصرت هذا الاسم باسم "التحریر و التنویر من التفسیر"۔ (٤٥)

تیس اجزاء پر مشتمل یہ باکمال تفسیر، سابقہ تفسیری ادب میں مفید اور گراں قدر اضافہ ہے۔ اس تفسیر کا پورا نام "تحریر المعنی السدید و تنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید" ہے۔

اردو تفاسیر میں بطور مثال سرسید احمد خان کی تفسیر القرآن، سید ابوالاعلی مودودی کی تفہیم القرآن، مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن اور امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن کا جائزہ لیا جائے گا جو کہ رجحان ساز تفاسیر ہیں اور جن کے برصغیر کے دینی ادب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

مذکورہ بالا چاروں تفاسیر میں سے صرف سرسید کی تفسیر ایسی ہے جو انیسویں صدی میں لکھی گئی باقی تینوں تفاسیر بیسویں صدی کے آخری نصف حصے میں تالیف کی گئیں۔ ان سب تفاسیر کے تالیف کیے جانے کے خاص عوامل ومحرکات ہیں جن کا رنگ نہ صرف ان مفسرین کی شخصیات میں بلکہ ان کی کتب تفاسیر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ کسی کو مسلمانوں کی زبوں حالی کی فکر ہے اور اس ضمن میں وہ مسلمانوں کی نجات جدید علوم کو سیکھنے میں تصور کرتا ہے کسی نے قرآن مجید کی تفسیر کو عام فہم اور آسان انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جدید نسل میں انقلابی روح پھونکنے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے تفسیر میں منقولات اور سلف کے اقوال پر اعتماد کرتے ہوئے سماجی اور فقہی مسائل کو موضوع بحث بنایا اور قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے بہت سے ممکنہ سوالات کے جوابات دیئے۔ کسی نے نظم قرآن کو تفسیر کا مرکزی اصول مان کر تفسیر لکھی۔

تفسیر القرآن:

اس تفسیر کے مؤلف سرسید احمد خان ہیں آپ کو مسلمانوں کے عظیم سیاسی رہنما کے طور پر یاد کیا جاتا ہے آپ کو سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ علم وادب سے گہرا شغف تھا۔ اس حوالے سے آپ نے بہت کچھ لکھا علاوہ ازیں علوم اسلامیہ کو بھی اپنا موضوع تحقیق بنایا اور کئی کتب تالیف کیں۔ تاہم آپ کے مذہبی عقائد ونظریات کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ عوام وخواص میں انہیں قبول عام حاصل ہو سکا۔ رفیع اللہ شہاب نے تفسیر کے آغاز میں آپکے تعارف میں لکھا ہے:

> ''سرسید احمد خان برصغیر کے مسلمانوں کے عظیم رہنما تھے آپ ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی زندگی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے وقف کر دی تھی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں مدرسۃ العلوم قائم کیا

جس نے بعد میں ترقی کرتے کرتے علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ حاصل کیا اس مدرسہ کو پاکستان کی پہلی اینٹ قرار دیا جاتا ہے۔''(۴۶)

تفسیر القرآن کے نام سے سرسید کی یہ تفسیر قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ صرف سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۳۵ تک ہے۔ اس تفسیر کے چھ حصے ہیں جو ایک ساتھ ایک ہی جلد میں شائع ہوئے ہیں۔ تفسیر کے آغاز میں تحریر فی اصول التفسیر کے نام سے مقدمہ ہے جس میں سرسید نے اپنی اس تفسیر کا سبب تالیف بیان کیا ہے نیز اس میں آپ کے وضع کردہ اصول تفسیر کا بھی بیان ہے۔

۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سرسید نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ علوم جدیدہ اور انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ جب آپ نے مسلمانوں کو ان علوم جدیدہ اور انگریزی زبان سیکھنے کی ترغیب دی تو اس وقت آپ کے ذہن میں خیال آیا کہ کیا یہ علوم مذہب اسلام سے متعارض ہیں بھی یا نہیں یہ تفصیل بیان کرتے ہوئے سرسید نے مزید لکھا ہے:

''میں نے بقدر اپنی طاقت کے تفسیروں کو پڑھا اور بجز ان مضامین کے جو علم و ادب سے علاقہ رکھتے ہیں باقی کو محض فضول اور مملو بروایات ضعیف و موضوع اور قصص بے سروپا سے پایا جو اکثر یہودیوں کے قصوں سے اخذ کیے گئے تھے۔ پھر میں نے بقدر اپنی استعداد و طاقت کے کتب اصول تفسیر پر توجہ کی اس امید سے کہ ان میں ضرور کوئی ایسے اصول قائم کیے ہوں گے جن کا ماخذ خود قرآن مجید یا کوئی اور ایسا ہوگا جس پر کچھ کلام نہ ہو سکے مگر ان میں بجز اس قسم کے بیان کے کہ قرآن مجید میں فلاں فلاں علوم ہیں مثلاً فقہ و کلام و وعظ اور اسباب اخفائے نظم قرآن و لطافت نظم اور بیان اختلاف تفاسیر کے یا شرح غریب قرآن کے اور کچھ نہیں ہے۔ جو زیادہ مبسوط ہیں ان میں آیات مکی و مدنی، صیفی و شتائی، یومی و لیلی اور ان کے حروف و کلمات یا بحث مجاز وغیرہ کے کوئی ایسے اصول نہیں بتائے ہیں جن سے وہ مشکلات جو درپیش ہیں حل ہو سکیں''۔(۴۷)

اس عبارت کا بہتر طور پر اندازہ اس وقت ہوگا جب آپ کے وضع کردہ اصول تفسیر کا جائزہ لے لیا جائے۔ تفسیر قرآن کے جو اصول آپ نے مقرر کیے ہیں وہ جمہور مفسرین کے تفسیری اصولوں سے بالکل مختلف ہیں۔ سابقہ تفسیری ادب پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے خود غور و فکر شروع کیا لکھتے ہیں:

''پھر میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے

پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔'' (۴۸)

اس کے بعد آپ نے ان اصولوں کے مطابق تفسیر لکھی اور اس کا نام تفسیر القرآن رکھا۔ آپ نے کل پندرہ اصول بیان کئے ہیں یہاں ان میں سے دو نمایاں اصولوں کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا جن کا آپ کی تفسیر پر گہرا اثر ہے۔

آپ نے تفسیر کا چوتھا اصول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے۔ خواہ یہ تسلیم کیا جائے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علمائے اسلام کا ہے یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے۔'' (۴۹)

لیکن دوران تفسیر ایک جگہ آپ نے بذریعہ جبرئیل آپؐ پر قرآن مجید کے نزول سے متعلق رازی کی تاویلات نقل کی ہیں اور ان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بے وقوفوں کی باتیں ہیں اور اسلام میں ان باتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۵۰)

ایک اور مقام پر آپ نے لکھا ہے:

''ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کے اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے، جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔'' (۵۱)

حالانکہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہے اور امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپؐ پر جبرئیل وحی لے کر اترتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سرسید دور کی تاویلات پیش کر کے اپنا اصول ثابت کرنا چاہتے ہیں جو کسی حوالے سے درست اور قابل قبول نہیں ہے۔

آپ نے اس کے علاوہ جو تفسیری اصول مقرر کیے ہیں ان میں سے آٹھواں اصول بھی بڑا اہم ہے جس کو آپ نے بڑے زور اور تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عین القیود ہیں (**یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید**) پس وہ

ان وعدوں کے کرنے کا مختار تھا جن کو اس نے کیا اور اس قانون فطرت کے قائم کرنے کا بھی مختار تھا جس پر اس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت میں بنائے مگر اس وعدہ اور قانون فطرت میں جب تک کہ وہ قانون فطرت قائم ہے تخلف محال ہے اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ میں نقصان لازم ہے اور ان وعدوں کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات قائم کرنا اس کی قدرت کے مطلق عن القیود اور نامحدود ہونے کی معارض نہیں ہوسکتا۔(۵۲)

آپ کے بیان کردہ اس اصول سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور کائنات میں اس کی کارفرمائی کو حواس و عقل کی کسوٹی پر پرکھ رہے ہیں جو ممکن نہیں ہے کیونکہ انسان کی عقل اور حواس دونوں محدود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کا مکمل احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔یہی وہ اصول ہے جس کی بنیاد پر آپ نے قرآن میں جہاں جہاں عادت سے ہٹ کر معجزات پائے جاتے ہیں کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ ہمیں اپنے فہم و ادراک کے مطابق قدرت کے جو قوانین نظر آتے ہیں اور جن چیزوں میں کوئی خواص دکھائی دیتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اگر ان میں کوئی تبدیلی نظر آتی ہے تو یہ اللہ کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس دنیا میں خلاف عادت کسی بات کا نبی سے ظاہر ہونا درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ اس کو اپنے نبی کی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے قانون فطرت ہو یا نظام قدرت ہو ان سب کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہے جب چاہے جس مرضی چیز میں تصرف کرے۔

معارف القرآن:

اس تفسیر کے مؤلف مفتی محمد شفیع (م:۱۹۷۶ء) ہیں۔(۵۳) آپ دارالعلوم کراچی میں ہی مدفون ہیں۔ آپ بیسویں صدی عیسوی کے ممتاز عالم دین ہیں۔ آپ کو فقہ اور فتویٰ میں خاص مہارت حاصل تھی ایک طویل عرصہ تک منصب افتاء پر فائز رہے یہی وجہ ہے کہ وہ آج مفتی اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مفتی رفیع عثمانی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تدریس کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی کتابوں سے شروع فرمایا۔ پھر سالہا سال اوپر کے سب درجات میں تمام علوم وفنون اپنے باکمال اساتذہ کے زیر سایہ پڑھائے۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم کی طرف سے تو صرف چھ گھنٹے کی پابندی تھی مگر میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتا تھا۔'' (۵۴) آپ نے ۲۶ سال دارالعلوم میں تدریسی خدمات سرانجام دیں اس کے بعد تین ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف کا

درس دیا اس کے بعد جب پاکستان تشریف لائے تو آپ نے شوال ۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم کراچی میں تاسیس فرمائی اور وہاں کئی سال بخاری شریف کا درس دیا۔(۵۵) آپ کی تصانیف کی کل تعداد ایک سو باسٹھ (۱۶۲) ہے۔صرف فقہی موضوعات پر آپ کی ۹۵ تصانیف ہیں۔(۵۶)

معارف کے علاوہ آپ کی مشہور تالیفات میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، اعضاء انسانی کی پیوندکاری، جواھر الفقه اورضبط ولادت کی شرعی حیثیت وغیرہ شامل ہیں۔آپ کی تفسیر معارف القرآن کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اس میں منقولات اور سلف کے اقوال کو جمع کرنے کے ساتھ ساتھ جدید فقہی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔آپ کی یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔

صاحب تفسیر معارف القرآن نے اپنی تفسیر کی تمہید میں بعنوان ''تفسیر معارف القرآن کی تصنیف قدرتی اسباب سے'' میں تفصیل کے ساتھ اپنی تفسیر کے اسباب تالیف کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

''آپ کا قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا کوئی مضبوط ارادہ نہ تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ ریڈیو پاکستان نے آپ کو معارف القرآن کے نام سے درس قرآن جاری کرنے کی پیشکش کی جسے آپ نے بغیر کسی معاوضے کے قبول کیا۔آپ نے یہ درس تقریباً گیارہ سال دیا پھر بعض وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ رک گیا لیکن جگہ جگہ سے سامعین کی طرف سے ان دروس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا مطالبہ کیا گیا اس کے بعد آپ نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کا عزم کیا۔اور اس پر کام شروع کر دیا۔اس سفر میں آپ کو مختلف قسم کی کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار آپ نے قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھ ڈالی۔''(۵۷)

تفسیر لکھنے کا اگرچہ بنیادی سبب یہی تھا لیکن آپ کے دل میں یہ تمنا بہت دیر سے موجود تھی مذکورہ بالا ساری تفصیل لکھنے کے بعد آخر میں آپ نے اس بات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

''زمانہ دراز سے ایک تمنا دل میں تھی کہ حکیم الامت مجدد الملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن جو ایک بے نظیر، مختصر، مگر جامع تفسیر اور سلف صالحین کی تفسیروں کا لب لباب ہے لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے آج کل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہو گئے ہیں اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے مگر یہ کام بھی کافی محنت اور فرصت چاہتا تھا، پاکستان میں آنے سے پہلے کچھ شروع بھی کیا پھر رہ گیا تھا معارف القرآن کی اس تحریر نے بحمد للہ وہ آرزو بھی پوری کر دی، کیونکہ اس تفسیر کی بنیاد احقر نے بیان القرآن ہی کو بنایا ہے''۔(۵۸)

معارف القرآن کا منہج وخصوصیات:

۱۔ سورتوں کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے آپ نے اس سورت کے مختلف نام، سورت کے فضائل وخصوصیات بیان کرنے کے علاوہ ان کے زمانہ نزول اور مضامین کو بھی بیان کیا ہے۔لیکن ان تمام باتوں کا اہتمام آپ نے ہر سورت کی ابتداء میں نہیں کیا۔

۲۔ آپ آیت یا آیات لکھ کر ان کا خلاصہ تفسیر بیان کرتے ہیں خلاصہ تفسیر کے بیان کے بعد کہیں کہیں حل لغات کے عنوان سے الفاظ کی لغوی تفسیر کی ہے۔

۳۔ خلاصہ تفسیر کے بعد آپ نے معارف ومسائل کا عنوان قائم کیا ہے جس کے تحت آیات کی تفصیل کے ساتھ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ دوران تفسیر سورت اور آیات کے مضامین کی مناسبت سے کئی چھوٹے بڑے عنوانات درج کئے گئے ہیں۔ جیسے سورۂ بقرہ کی چھٹی اور ساتویں آیت لکھ کر خلاصہ تفسیر بیان کیا اور اس کے بعد معارف و مسائل کے تحت آپ نے درج ذیل عنوانات قائم کئے۔

خلاصہ مضمون مع ربط، کفر کی تعریف، انذار کے معنی، گناہوں کی دنیوی سزا سلب توفیق، نصیحت ناصح کے لیے ہر حال میں مفید ہے، مخاطب قبول کرے یا نہ کرے، ایک شبہ کا جواب۔(۵۹)

ان تمام عنوانات کے تحت آپ نے تفسیر نقل کی ہے تاہم عنوانات قائم کرنے میں بنیادی اور مرکزی عنوان معارف ومسائل کا ہے جو آیات کی تفسیر میں ہر جگہ قائم کیا گیا لیکن اس کے تحت جو عنوانات قائم کئے ہیں وہ آیات کے موضوع اور مضمون کی مناسبت سے ہیں۔

۴۔ معارف القرآن میں منقولات اور سلف کے اقوال پر بہت زیادہ اعتماد کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کے بیان پر خصوصی توجہ دی ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خود فقیہ تھے۔اور طویل عرصہ منصب افتاء پر فائز رہے۔

۵۔ معارف القرآن میں تفسیر قرآن کے دوران مباحث علوم القرآن کے بیان کا اہتمام بھی کیا گیا ہے جیسے اسباب نزول، اعجاز قرآن اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ

۶۔ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل اور کمزوریوں کو بھی خصوصیت کے ساتھ اس تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔

معارف القرآن کی تین بنیادی خصوصیات جو خود اس کے مؤلف نے بیان کی ہیں، درج ذیل ہیں:

پہلی خصوصیت تو اس تفسیر میں یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے دو مستند تراجم ایک حضرت شیخ الہند کا جو دراصل شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے دوسرا حضرت حکیم الامت تھانوی کا ترجمہ، جمع کر دیئے گئے۔

دوسری خصوصیت اس کا خلاصہ تفسیر ہے جو درحقیقت بیان القرآن کا خلاصہ مع تسہیل ہے جس کو علیحدہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر طبع کرلیا جائے تو تھوڑی فرصت والے کے لیے فہم قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے۔

تیسری خصوصیت اس تفسیر میں بیان کئے گئے معارف و مسائل ہیں جن کے بارے میں مؤلف کا کہنا ہے کہ یہ ان کی طرف منسوب ہیں اور ان کی محنت کا محور ہیں پھر کہتے ہیں کہ الحمد للہ اس میں بھی میرا کچھ نہیں سب اسلاف امت سے ہی لیا ہوا ہے آج کل کے اہل علم و اہل قلم اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی کوئی تحقیق اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش کریں مؤلف اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس سارے کام میں ان کا اپنا کچھ نہیں۔'' (۶۰)

ان تین خصوصیات کے علاوہ اس کی چوتھی خصوصیت اس کا آسان، عام فہم اور سادہ اسلوب ہے جس میں عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں لغوی، نحوی اور بلاغی تحقیقات بیان نہیں کی گئیں اور نہ اختلاف قراءات کے مباحث نقل کئے گئے کیونکہ مذکورہ مباحث صرف اہل علم کے لیے فہم قرآن میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جس کے ذریعہ قرآن مجید کے صحیح مفہوم کو پایا جا سکتا ہے لیکن عوام ان تفصیلات سے الجھن محسوس کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے جبکہ قرآن کا بنیادی مقصد انسان اور اللہ کے درمیان مضبوط تعلق قائم کرنا ہے۔ تفسیر کے ضمن میں جس رائے کو جمہور نے راجح قرار دیا آپ نے اسے نقل کیا علاوہ ازیں مستند اور معتبر تفسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ جو انسان کے دل میں قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت و محبت بڑھائیں اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں۔ مزید یہ کہ مؤلف نے ایسے مسائل اور مباحث کو اہمیت دی ہے جو یا تو اس زمانے کے مشینی دور میں نئے نئے پیدا ہوئے اور یا اس زمانے کے ملحدین اور یہودی و نصرانی مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کھڑے کر دیئے جدید مسائل کے حل کے لیے مقدور بھر یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن و سنت یا فقہاء امت کے اقوال میں اس کا کوئی ثبوت ملے یا کم از کم اس کی کوئی نظیر ملے اور ایسا کرنے میں آپ کو کامیابی ہوئی۔ (۶۱)

معارف القرآن جدید دور کی تفسیر ہے جو اردو زبان میں تالیف کی گئی۔ معارف القرآن کی تیاری میں صرف علمی طبقے کو سامنے نہیں رکھا گیا بلکہ عوام کو مدنظر رکھ کر کی جانے والی تفسیر ہے۔ اس لیے اس کا انداز عام فہم اور اسلوب سادہ ہے جس کے مطالعہ سے قاری کو اللہ کی مراد جاننے میں مشکل پیش نہیں آتی چونکہ یہ تفسیر جدید دور میں لکھی گئی ہے اس لیے اس میں اس حوالے سے کئی جدید مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مفتی محمد شفیع کو فقہ اور فتویٰ میں

خاصی مہارت حاصل تھی اس لیے اس تفسیر میں فقہی مسائل کو بڑی خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بقدر ضرورت علوم القرآن کے مباحث کا تذکرہ بھی اس تفسیر میں موجود ہے۔تفسیر معارف القرآن کے شروع میں مفید اور اہم معلومات پر مشتمل مقدمہ ہے جس میں علوم القرآن کے اہم مباحث شامل ہیں لیکن مقدمہ مؤلف نے نہیں بلکہ ان کی فرمائش پر ان کے صاحبزادے مفتی محمد تقی عثمانی نے تحریر کیا۔

تفهيم القرآن:

اس معروف تفسیر کے مؤلف سید ابوالاعلی مودودی (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) ہیں۔(۶۳) آپ لاہور میں مدفون ہیں۔سید مودودی بیسویں صدی کی نمایاں علمی شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے غیر معمولی اہتمام کیا اور مختلف موضوعات پر کئی کتب تالیف کیں۔آپ کی مشہور کتب میں تفهيم القرآن کے علاوہ الجهاد فی الاسلام، پردہ، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، سنت کی آئینی حیثیت وغیرہ شامل ہیں تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا اور جماعت اسلامی کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔آپ نے اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھا ہے:

> ''میں ایک مدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں میں روح قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے روشناس ہونے کی جو طلب پیدا ہوگئی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے وہ مترجمین اور مفسرین کی قابل قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ ہے۔اس کے ساتھ میں یہ احساس بھی اپنے اندر پا رہا تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ خدمت بھی کر سکتا ہوں انہی دونوں احساسات نے مجھے اس کوشش پر مجبور کیا جس کے ثمرات ہدیہ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔اگر فی الواقع میری یہ حقیر پیش کش لوگوں کے لیے فہم قرآن میں کچھ بھی مددگار ثابت ہوئی تو یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی۔''(۶۴)

آگے آپ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تفهيم القرآن لکھتے وقت لوگوں کے کس طبقہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔لکھتے ہیں:

> ''اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح

واقف نہیں ہیں اور علوم القرآن کے وسیع ذخیرہ سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ان تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے الجھنیں پیش آ سکتی ہوں وہ صاف کر دی جائیں اور جہاں کچھ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اس کو بروقت مل جائے۔'' (۶۵)

اس عبارت سے آپ کے تفسیری منہج و اسلوب کا بھی اندازہ ہوتا ہے دوران تفسیر آپ نے جو عمومی منہج تفسیر اپنایا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تفہیم القرآن کا عمومی منہج اور خصوصیات:

تفہیم القرآن کے منہج کا جائزہ لینے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ہر سورت کے شروع میں اس سورت کا جامع تعارف ہے۔ جس میں سورت کا نام اس کی وجہ تسمیہ، شان نزول اور زمانہ نزول اور اس سورت کے مرکزی مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ سورت کا اجمالی تعارف پیش کرنے کے بعد سورت کی آیات اور ان کے تحت ترجمہ بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کی ہے۔ آپ کے بیان کئے گئے ترجمہ کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے اس میں ترجمانی کا انداز اپنایا گیا ہے۔

۳۔ حاشیہ میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ تفسیر کے بیان میں عام فہم اور سادہ زبان و اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔ بے جا تفصیلات اور طوالت سے ممکن حد تک اجتناب کیا گیا ہے۔ لیکن بعض اہم اور دقیق مباحث وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ دوران تفسیر آپ نے اکثر مقامات پر الفاظ قرآنی کے لغوی معانی بیان کئے ہیں اور بوقت ضرورت کلام عرب سے بھی استشہاد کیا ہے۔ (۶۶) الفاظ قرآنی کی لغوی وضاحت میں صرف و نحو کی تفصیلات نقل نہیں کیں اور لفظ جن معروف معانی میں استعمال ہوتا ہے اسی کو اختیار کیا ہے دور کی تاویلات بیان کرنے کی کوشش نہیں کی۔

۵۔ تفسیر کرتے ہوئے عصر حاضر کے مسائل خاص طور پر مسلمانوں کو درپیش مسائل اور ان کا حل بھی کسی نہ کسی

حوالے سے بیان کیا ہے۔خواہ وہ معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی سطح پر ہو۔

۶۔ آپ نے تفسیر قرآن کا معروف طریقہ اختیار کیا ہے اور قرآن، سنت، اقوال صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں تفسیر بیان کی ہے اور اس ضمن میں آپ نے کمزور احادیث اور اسرائیلی روایات کو نقل کرنے سے گریز کیا ہے اور اگر کہیں ذکر کیا تو وہاں اس پر گرفت بھی کی ہے۔ ۶۷

لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نے شریعت کے عمومی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی رائے اور تحقیق سے بھی کام لیا ہے اور کئی مسائل کی وضاحت فرمائی ہے۔

۷۔ دوران تفسیر قرآن مجید میں جن مقامات کا تذکرہ ہے یا جن کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے آپ نے ان علاقوں کی تفصیلات بھی بیان کر دیں اور موجودہ دور میں ان کی جغرافیائی حالت بھی واضح کی اور اس ضمن میں نقشوں اور تصاویر سے مدد بھی لی ہے۔

۸۔ قرآن مجید کی جن آیات سے فقہی مسائل کا اخذ و استنباط ہوتا ہے وہاں آپ نے بعض مقامات پر انتہائی ماہرانہ انداز میں مختلف فقہاء کی آراء نقل کر کے تحقیقی مباحث پیش کئے ہیں۔مثال کے لیے سورۂ نور کی تفسیر کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

تفہیم القرآن ہر عام و خاص کے لیے مفید ہے جس کا تعلق اردو دان طبقہ سے ہے۔تفہیم القرآن میں جدید دور کے بہت سے پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔مغربی مفکرین اور مستشرقین نے جو مذہب اسلام پر اعتراضات کیے ہیں آپ نے ان کا بھی بھرپور جواب دیا ہے اور ان کے خطرناک روپ سے نقاب اٹھایا ہے۔(۶۸)

مختصر یہ کہ تفہیم القرآن جدید عصری اسلوب میں عام فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی تفسیر ہے۔

تدبر قرآن:

اس تفسیر کے مؤلف امین احسن اصلاحی (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۷ء) ہیں (۶۹)۔آپ کی زندگی تقریباً پوری بیسویں صدی پر محیط ہے آپ اس صدی کے نامور مفسر اور مفکر تھے۔فکر فراہی کے سب سے بڑے ترجمان مانے جاتے ہیں۔تدبر قرآن آپ کا عظیم کارنامہ ہے تاہم اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی کتب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے جن میں تزکیۂ نفس، حقیقتِ توحید، حقیقتِ شرک، دعوتِ دین اور اس کا طریق کار اور مبادی تدبر حدیث وغیرہ شامل ہیں۔

امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر کے سبب تالیف کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

''اس کتاب کے لکھنے سے میرے پیش نظر قرآن حکیم کی ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے جس میں میری دلی

آرزو اور پوری کوشش اس امر کے لیے ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث اور لگاؤ اور ہر قسم کے تعصب وتحزب سے آزاد اور پاک ہوکر ہر آیت کا وہ مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور فی الحقیقت اس آیت سے نکلتا ہے اس مقصد کے تقاضے سے قدرتی طور پر میں نے اس میں فہم قرآن کے ان وسائل و ذرائع کو اصل اہمیت دی ہے جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں۔ مثلاً قرآن کی زبان، قرآن کا نظم اور قرآن کے نظائر وشواہد، دوسرے وسائل جو قرآن سے باہر کے ہیں مثلاً حدیث، تاریخ، سابق آسمانی صحیفے اور تفسیر کی کتابیں۔ اگرچہ اپنے امکان کے حد تک میں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہے لیکن ان کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے استفادہ کیا ہے۔(۷۰)

صاحب تدبر قرآن نے بنیادی طور پر فہم قرآن کے داخلی وسائل سے مدد لی ہے اور زیادہ تر ان میں ہی غور وفکر اور تدبر کر کے قرآن مجید کی تفسیر کی ہے لیکن جب داخلی وسائل سے مکمل طور پر بات نہ بن سکی تو ان کی روشنی میں ہی خارجی وسائل سے استفادہ کیا۔ آپ نے اس تفسیر کو طویل عرصہ میں مکمل کیا۔ لکھتے ہیں:

''تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے ۵۵ سال صرف کیے ہیں جن میں سے ۲۳ سال صرف کتاب کی تحریر وتسوید کے نظر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاذ امام رحمہ اللہ نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آیا ہے۔(۷۱)

صاحب تدبر قرآن نے اپنے استاذ حمید الدین فراہی ہی کی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے اس تفسیر کو مکمل کیا۔

تدبر قرآن کا منہج وخصوصیات:

صاحب تدبر قرآن نے اپنے تفسیری منہج سے متعلق مقدمہ میں جو باتیں کی ہیں وہ چند نکات میں درج ذیل ہیں:

۱۔ دوران تفسیر ہر آیت کے تحت صرف اسی حد تک بحث کی گئی ہے جس سے اس کا اصل مدعا واضح ہو جائے۔ آیت سے متعلق ضمنی مباحث میں پڑنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ دوران تفسیر دوسری کتب تفاسیر کے حوالے زیادہ نہیں ملیں گے جن کی بنیادی وجہ یہ ہے اس تفسیر کا منہج مروجہ تفاسیر کی طرح نہیں ہے بلکہ براہ راست فہم قرآن کے اصلی وسائل پر ہے۔ تاہم خاص خاص اہم مباحث میں ان تفسیروں اور ان ارباب تاویل کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں جن کی حیثیت تائیدی ہے۔

۳۔ کتاب کو ثقالت سے بچانے کے لیے کلام عرب کے بہت زیادہ حوالے نقل نہیں کئے گئے کیونکہ یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کے پڑھنے والوں کی غالب تعداد ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہوگی جو عربی سے ناواقف ہوں گے ایسے لوگوں کے لیے شعرعرب کے حوالے نامانوس بھی ہوں گے اور غیر مفید بھی تاہم اس کمی کی تلافی قرآن مجید کے نظائر وشواہد سے اچھی طرح کر دی گئی ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے سب سے زیادہ قابل اطمینان تفسیر ہے۔ (۷۲)

۴۔ تدبر قرآن میں سورت کی تفسیر میں آپ نے عموماً درج ذیل ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

(i) سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

(ii) سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(iii) چند آیات ترجمہ سمیت بیان کر کے ان میں شامل الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت۔

تفسیر تدبر قرآن کی نمایاں اور امتیازی خصوصیت اس کا نظم ہے امین احسن اصلاحی کے نزدیک بغیر نظم کو جانے قرآن مجید کا صحیح فہم ممکن نہیں ہے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے:

> ''نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزو لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت وبلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط وتعلق ہے اور نہ ایک سورہ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت وموافقت ہے۔ بس مختلف آیات، مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کر دی گئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہوگیا ہے۔'' (۷۳)

مؤلف کے نزدیک کوئی بھی فرد قرآن کی حقیقت اور اس کے صحیح فہم وحکمت کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب وہ اس کے نظم کو نہ جان لے اور ان کے بقول اکثر اختلافات بھی اسی وجہ سے پیدا ہوئے فقہی اختلافات سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ہماری فقہ کے بہت سے اختلافات صرف بات کو اس کے سیاق اور نظم میں نہ دیکھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر سیاق ونظم کو ملحوظ رکھا جائے تو اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں ایک قول کے سوا کسی دوسرے قول کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی۔'' (۷۴)

یہی وجہ ہے کہ صاحب تدبر قرآن نے اپنی تفسیر میں ہر جگہ ایک ہی قول اختیار کیا اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے:

''میں نے اس تفسیر میں چونکہ نظم کلام کو پوری اہمیت دی ہے اس وجہ سے ہر جگہ میں نے ایک ہی قول اختیار کیا ہے بلکہ اگر میں اس حقیقت کو صحیح لفظوں میں بیان کروں تو مجھے یہ کہنا چاہیے کہ مجھے ایک قول اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے کیونکہ نظم کی رعایت کے بعد مختلف وادیوں میں گردش کرنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔'' (۷۵)

شان نزول کو معلوم کرنے میں بھی امین احسن اصلاحی اور ان کے استاذ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ شان نزول خود سورہ سے ہی معلوم کیا جائے آپ کے استاذ فراہی صاحب نے لکھا ہے:

''پس اگر تم طمانیت اور یقین کے طالب ہو تو شان نزول کی تلاش میں سررشتہ نظم کو ہرگز ہاتھ سے نہ چھوڑنا ورنہ تمہاری مثال صحراء کے اس مسافر کی ہو جائے گی جو اندھیری رات میں ایک چوراہے پر پہنچ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کدھر جائے شان نزول خود قرآن کے اندر سے اخذ کرنا چاہیے اور احادیث و روایت کے ذخیرہ میں سے صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو نظم قرآن کی تائید کریں نہ کہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیں۔'' (۷۶)

امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں اپنے استاذ کے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ (۷۷) اس مکتبہ فکر کا موقف یہ ہے کہ آیات کے مطالب اور ان کی باہمی ترتیب و ترکیب میں تدبر کر کے شان نزول خود سورہ سے معلوم کیا جائے گا اس سلسلہ میں اگر تاویل بغیر کسی خارجی مدد کے بالکل بے نقاب ہو گئی نظم کی شرائط پوری ہو گئیں تو شان نزول معلوم کرنے کے لیے روایات صحیحہ کی طرف بھی رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں اگر روایات سے ایسی تاویل کی تائید ہو رہی ہو یا کسی مخفی پہلو کی وضاحت ہو رہی ہو تو مزید اطمینان کے لیے ایسی روایات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

جدید تفاسیر سلف صالحین اور جمہور کے مسلک پر ہیں لیکن بعض ایسی ہیں جن میں مفسرین نے اپنے ذہنی اعتقاد اور فکری تصورات کی بنا پر من مانی تاویلات کا طرز اختیار کیا ہے جس کی نمایاں مثال طنطاوی کی تفسیر ہے۔ جس کا جائزہ لینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن کوئی سائنس کی کتاب ہے اور اردو تفاسیر میں سے سرسید کی تفسیر ہے جنہوں نے جدید مغربی علوم سے متاثر ہو کر مذہبی اعتقادات کو بھی حواس و عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش

کی یوں اسلام کے کئی مسلمہ حقائق کی نفی کر دی۔ اردو میں لکھی گئی اکثر تفاسیر میں صرف ونحو، اشتقاقات اور علوم القرآن کے دقیق مباحث کو شامل تفسیر نہیں کیا گیا تا کہ اردو داں طبقہ کے لئے دشواری نہ ہو۔ مجموعی طور پر عصری تفسیری ادب میں منقولات پر اعتماد کرنے کے ساتھ ساتھ جدید مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم اور سادہ انداز میں قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا رجحان غالب ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) زرکلی،خیرالدین الاعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستغربين والمستشرقين،دار العلم للملايين،بيروت، الطبعةالرابعة،۱۹۷۹ء،۱/۲۳۰

(۲) طنطاوی جوهری،الجواهر فی تفسير القرآن العظيم،داراحياء التراث العربی بيروت، الطبعة الرابعة،۱۹۹۱ء،۱/۳

(۳) ایضاً۱/ ۱۹،۲۵/۵۳

(۴) جواهر القرآن۱/ ۲۴۸،۲۴۹،۴/۷۴،۷۵

(۵) ایضاً۱/ ۲۴۸

(۶) ایضاً۱/۱۶۳

(۷) جواهر القرآن ۱/۱۹۴،۱۹۶

(۸) ایضاً۱/ ۲۷۵

(۹) ایضاً۱/۸۴

(۱۰) النساء۴:۱۳۵

(۱۱) جواهر القرآن ۳/ ۷

(۱۲) ایضاً ۳/ ۹۹

(۱۳) محمد حسين الذهبی، التفسير و المفسرون، مكتبة مصعب بن عمير الاسلامية ۲۰۰۴ء،۲/۲۶۴

(۱۴) ایضاً

(۱۵) ملخص ایضاً۱/۲۳۲،۲۳۳

(۱۶) ایضاً۲/۲۳۳،۲۳۴

(۱۷) احمد مصطفی المراغی، تفسیر المراغی، مصطفی البابی الحلبی مصر،۱/۱۶تا۲۰

(۱۸) ایضاً۱/۲۲

(۱۹) ایضاً ۱/۹۴

(۲۰) ایضاً۱/ ۹۵

(۲۱) الفلق ۱۱۳:۴

(۲۲) ایضاً۳۰/ ۲۶۷

(۲۳) امام بخاری نے اس روایت کو کئی جگہ نقل کیا مثلاً کتاب الجزیة و الموادعة، باب هل یعنی عن ذمی اذا سحر (۳۱۷۵) کتاب الطب، باب السحر (۵۷۶۳)، ایضاً باب هل یستخرج السحر (۵۷۶۵)، ایضاً باب السحر (۵۷۶۶) ؛ امام مسلم الجامع الصحیح، کتاب الطب باب السحر (۵۷۰۳)

(۲۴) تفسیر المراغی ۳۰/ ۲۶۷، ۲۶۸

(۲۵) البقرة ۲:۱۰۶

(۲۶) تفسیر المراغی ۱/ ۱۸۸

(۲۷) ایضاً۲/ ۶۸

(۲۸) ایضاً۲/۱۷۰

(۲۹) ایضاً ۳/ ۵۶

(۳۰) ایضاً ۴/ ۱۸۱،۱۸۴

(۳۱) ابن عاشور :ادریسی خاندان اور مراکشی نسل کے ایک کاندان کی کنیت، جو مسلم سپین میں آباد ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ عاشور ایک مذہبی سزا کے خوف سے بھاگ کر مراکش آ بسا تھا۔ اس کا بیٹا محمد، سیلہ (Sale) میں قریباً 1030ھ / 1661ء میں پیدا ہوا۔ اس بنا پر تیونس کی تاریخ میں اس خاندان کی اہمیت سب سے پہلے تصوف میں ظاہر ہوئی، پھر فقہ، تدریس اور مذہبی عہدوں پر فائز رہنے کی بنا پر پیدا ہوئی۔ ابن عاشور (صاحب تفسیر التحریر والتنویر) اسی خاندان کے نمایاں علمی و دینی وارث ثابت ہوئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن عاشور، تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۲۰۰۲، ۱/۲۰۴۔۲۰۳

(۳۲) الاعلام۶/۱۷۴

(۳۳) ابن عاشور، التحریر والتنویر من علم التفسیر، تونس، دار سحنون للنشر التوزیع، ۱۹۹۷، ۱/ ۲۶

(۳۴) ایضاًا/ ۳۸

(۳۵) ایضا ماخوذ ۴۰تا۴۱

(۳۶) ھود ۱۱:۱۰۱

(۳۷) القلم ۶۸:۴

(۳۸) النساء۴:۱۰۵

(۳۹) ال عمران ۳:۱۰۳

(۴۰) یوسف ۱۲:۳

(۴۱) البقرة ۲:۲۶۹

(۴۲) یونس ۱۰:۳۸

(۴۳) ایضاًا/ ۵۱تا۵۵

(۴۴) ایضاًا/ ۸

(۴۵) ایضاًا/ ۸،۹

(۴۶) رفیع الله شهاب، تعارف (سرسید احمد خان) در کتاب تفسیر القرآن ازسرسید احمد خان، لاهور،دوست ایسوسی ایٹس، ۲۰۰۴،بذیل تعارف۔

(۴۷) تفسیر القرآن ص ۲

(۴۸) ایضاً

(۴۹) تفسیر القرآن ص ۴۳

(۵۰) ایضاً ص ۹۱

(۵۱) ایضاً ص ۱۱۷

(۵۲) ایضاً ص ۴۵

(۵۳) عثمانی،محمدرفیع،حیات مفتی اعظم،ادارة المعارف،کراچی،طبع جدید ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۱

(۵۴) ایضاً حیات مفتی اعظم ص ۸۹

(۵۵) ایضاً حیات مفتی اعظم ص ۹۰،۹۱

(۵۶) ایضاً ص ۱۷۱

(۵۷) محمد شفیع،مفتی،معارف القرآن،ادارة المعارف ،کراچی، ۱۹۹۴ء،۱/۶۳ تا ۶۸

(۵۸) معارف القرآن ۱/ ۶۸

(۵۹) ایضاً۱/ ۱۱۶۔۱۱۹

(۶۰) ماخوذ تمہید معارف القرآن۱/ ۷۱

(۶۱) ایضاً۱/ ۶۹،۷۰

(۶۲) سید اسعد گیلانی "مودودی" اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور،دانش گاہ پنجاب،۲۱/ ۷۴۱

(۶۳) ایضاً۲۱/۷۴۴

(۶۴) مودودی،ابوالاعلیٰ،تفہیم القرآن،مکتبۃ تعمیر انسانیت،طبع ہفتم ۱۹۶۸ء،۱/ ۵

(۶۵) ایضاً ۱/ ۵،۶

(۶۶) تفہیم القرآن ۳/ ۳،۲۳۵/۳/۲۷۳

(۶۷) ایضاً ۳/ ۲۴۰ تا ۳،۲۴۴/۳/۵۶۴

(۶۸) ایضاً ۳/۳،۱۳/ ۳،۵۶۵/ ۴/ ۳۲۷

(۶۹) اصلاحی، شرف الدین،ذکر فراہی،دارالتذکیر،لاہور،طبع اول ۲۰۰۲ء،ص ۵۶۶

(۷۰) اصلاحی، امین حسن،تدبر قرآن،فاران فاؤنڈیشن،لاہور،طبع نہم ۲۰۰۱ء،۱/ ۱۳

(۷۱) دیباچہ تدبر قرآن۱/ ۷

(۷۲) ماخوذ تدبر قرآن۱/ ۴۱،۴۲

(۷۳) تدبر قرآن ۱/ ۱۷

(۷۴) ایضاً۱/۲۲

(۷۵) ایضاً

(۷۶) فراہی،حمیدالدین،تفسیر قرآن کے اصول، ترتیب وترجمہ خالد مسعود،ادارہ تدبر قرآن وحدیث لاہور، ۱۹۹۹ء،ص ۹۸

(۷۷) مقدمہ تدبر قرآن۱/۳۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆